اسیریِ اہل حرم

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی سید الانبیاء والمرسلین وآلہ الطاھرین۔

تمہید: دور فلک میں سیکڑوں ہی واقعات ایسے پیش آتے رہتے ہیں جن کے اسباب وعلل سمجھنے سے انسانی فکریں عاجز رہتی ہیں، جن کے رازہائے سربستہ ناخن ادراک کے لئے عقدۂ لاینحل اور جن کے پوشیدہ اسرار وحقائق ہمیشہ سطحی نظروں سے تاریکی وغموض کے ظلمات بعضہائے فوق بعض، تہ بہ تہ اور طبق اندر طبق پردوں ہی میں رہتے ہیں۔

انسانی مردم شماری کی طرح اگر دنیا نہیں، بلکہ ایک ملک، نہیں، ایک صوبہ، ایک شہر کے دن رات کے چوبیس گھنٹے اور گھنٹوں کے اندر ہر دقیقہ اور ہر ثانیہ میں ہونے والے حوادث کا جائزہ لیا جائے تو یقیناً ان میں ایسی تعداد زیادہ ہوگی جن کے علل و مصالح سمجھنے سے عقل انسانی قاصر رہی ہے۔

اور درصورت یہ کہ تمام حوادث ایک مرتب نظام کے ماتحت قادر وحکیم باشعور وارادہ ہستی کی طرف استناد رکھتے ہیں، یہ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ درحقیقت یہ تمام حوادث جن کے اسباب وعلل سمجھنے سے ہماری عقل قاصر رہی ہے بجائے خود مصالح وحکم سے خالی ہیں، اور ایک پیر کہن سال کے مرتعش ہاتھ کی حرکت اور سرسامی مریض کی ہذیانی گفتگو یا ایک بے شعور اور لایعقل شخص کی ناسمجھی بوجھی حرکات کے مثل ان میں فوائد و اغراض کا پتہ نہیں۔ بے شک وہ اشخاص جو ان تمام حوادث کو بے حس وارادہ بے بصر وبصیرت طبیعت کا ثمرہ اور ذرات مادہ کے خلط واختلاط، فعل وانفعال کا نتیجہ سمجھ کر قادر وحکیم علی الاطلاق ہستی کے اعتقاد سے بہ گمان خود مستغنی ہوگئے ہیں، ان کے لئے میدان صاف ہے، ان کا ان افعال کو بے شعور وارادہ طبیعت کی طرف منسوب کرنا خود ہی اس قسم کے بکھیڑوں سے نجات کا ضامن ہے۔ اصول وعقائد اور رموز وحقائق کی پہلی بحث واحد واجب الوجود قادر ومرید ہستی کے ثبوت کو طے کرنے کے بعد ہی انسان کا قدم ایک نامحدود وسعت سے نکل کر محدود دائرہ میں مقید ہونے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اس کی سرعت رفتار جواب تک ہر قسم کے قیود سے معرا ہونے کے باعث دنیا کے تیز رو ترین اشیاء سے زیادہ تیزی دکھلانے کا حوصلہ رکھتی تھی؟ اب اپنے تئیں غیر معمولی قیود کا پابند پاکر اعتدال پر مجبور ہوتی ہے اور راستے کے داہنے بائیں گڑھوں، نالوں، کھولوں سے بچتے ہوئے سیدھے راستے پر چلنے کے ساتھ ساتھ اس کو بعض ایسے نقطوں پر پہنچ کر رک بھی جانا پڑتا ہے کہ جن کے آگے اس کو چلنے کا راستہ دکھلائی نہیں دیتا۔

انسان کا قدم ایسے تاریک مواقع پر پہنچ کر ٹھٹکتا ہے کہ جہاں اس کی عقل کا چراغ جھلملانے لگتا ہے، جس کے آگے اس کو تاریکی کا ایک عظیم دریا موجیں مارتا ہوا ملتا ہے، جس کو طے کرنے سے اس کے تمام موجودہ افکار وقویٰ قاصر نظر آتے ہیں۔ اس کو ان موقعوں سے دوچار ہونے کے بعد جہل وقصور کا اعتراف کئے بغیر چارۂ کار نظر نہیں آتا اور اس کو یہی کہنا پڑتا ہے کہ **سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم** اگر حوادث کائنات میں سے ہر حادثہ کے اسباب وعلل سے بحث کو انسان اپنا وطیرہ بنالے تو اس کو ایسے مواقع بہت پیش

آئیں گے جہاں اس کو اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے حکیم وقادر ہستی کے مخصوص اسرار وحکم پر محول ہونے کی ضرورت پیش آئے گی، لیکن چونکہ ان میں سے ہر واقعہ اپنی عظمت و اہمیت کے اعتبار سے اس قابل نہیں ہوا کرتا کہ وہ انسانی افکار کو اپنی طرف متوجہ کر لے، ایک ہوا کا جھونکا، درخت سے ٹوٹ کر گرتا ہوا برگ اور فضا میں اڑتے ہوئے ابر کی نقل وحرکت اس قابل کہاں کہ فکریں اس کی طرف متوجہ ہوجائیں اور دنیا اس کے اسباب ومصالح کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہو۔

یہ تو ان حوادث وکائنات کا تذکرہ ہے جو عالم کون وفساد میں رونما ہوتے رہتے ہیں اور جن کا براہ راست تعلق خالق کائنات کے ارادہ ومشیت سے ہے۔ وہ افعال جو فاعلِ مختار یعنی انسانی افراد سے سرزد ہوتے ہیں ان میں ایسے افعال کا پایا جانا خلاف توقع نہیں، جو مصالح وفوائد سے خالی بلکہ اس کے برعکس مضار ومفاسد کا موجب ہوں۔ اسی لحاظ سے عام افراد انسان کا کوئی طرز عمل انتقاد و اعتراض سے بالاتر نہیں ہے بلکہ بیشتر اشخاص کی سیرت اور ان کے افعال و اعمال اس کے مستحق بھی نہیں کہ ان کی صحت وعدم صحت کی فکر میں بحث وتمحیص کی زحمت کو برداشت کیا جائے۔

لیکن واقعہ کا تعلق اگر ایک ایسی ہستی کے ساتھ ہو جس کی عظمت عام طور پر مسلم ہے تو اس میں اہمیت پیدا ہوجانا ناگزیر ہے اور اس وقت اس کے اسباب وعلل اور منافع وفوائد سے بحث عقلا کے افکار کا متفقہ نقطۂ نظر بن جاتی ہے۔ ایسے وقائع کی اہمیت اس وقت زیادہ ہوجاتی ہے کہ جب وہ کسی مذہبی اعتقاد کا سنگِ بنیاد ہوں اور اس وقت بھی کہ جب وہ واقعہ اپنی ندرت اور بے مثالی کے باعث دنیا کے واقعات میں خاص درجہ رکھتا ہو اور اس وقت بھی کہ جب اس پر بااہمیت نتائج وآثار کا مرتب سلسلہ قائم ہو اور وہ ایک اہم تاریخی دور کا پیش خیمہ ہو۔ ایسے واقعات اگرچہ محیط فلک کی گردش کے ساتھ ساتھ خود فنا ہوجاتے ہیں لیکن اپنے اسباب وعلل کی بحث کو عقلائے زمانہ کے افکار کا ایک نامعلوم مدت کے لئے مشغلہ بنا جاتے ہیں۔

واقعات کربلا اپنی اہمیت کے اعتبار سے عالم کے واقعات میں اپنی آپ مثال ہیں، ان میں سے ہر واقعہ ان تمام وجوہ کو لئے ہوئے ہے جو کسی واقعہ کو اہم بنانے کے ذمہ دار ہیں۔ ان کا تعلق براہ راست ایک ایسی ہستی سے ہے جس کی عظمت شرق وغرب کے کروڑہا انسانوں کے دلوں کو سربسجود بنائے ہوئے ہے اور اس حیثیت سے بھی کہ عالم کی ایک مقتدر اور کثیر التعداد جماعت (شیعہ) اس مقدس ہستی کو امام مفترض الطاعۃ سمجھتی ہے، نیز اس حیثیت سے کہ ندرت اور بے مثالی میں اس کی نظیر ازل وابد کی حدوں کے درمیان دیکھنے میں نہیں آئی، اور اس حیثیت سے بھی کہ وہ عظیم انقلابات وتغیرات کا پیش خیمہ قرار پایا۔ ان وجوہ کی بناء پر کوئی تعجب نہیں کہ یہ واقعات صدیاں گذرنے کے بعد بھی برابر افکار وعقول کے لئے مرکز توجہ بنے رہے اور ہمیشہ ہی ان کے اسباب وعلل میں بحث کا سلسلہ قائم رہا۔

چنانچہ ہمارے سامنے اعتراض یہ پیش ہے کہ جب سیدالشہدؑاء کو معلوم تھا کہ وہ اس سفر میں شہید کئے جائیں گے اور آپ کے بعد اہل حرم کی اسیری یقینی ہے تو پھر ان اہلبیتؑ کو اپنے ساتھ لے کر نکلنے کے کیا معنی؟ کیا یہ خود اپنے ناموس وعزت کو دشمنوں کے ہاتھوں ہتک حرمت کے لئے دے دینا نہیں ہے اور کیا سیاست وعاقبت اندیشی اس بات کی مقتضی نہ تھی کہ آپ ابن عباسؓ اور دوسرے لوگوں کے مشورہ پر عمل کرتے جو اہل حرم کو مدینۂ منورہ میں چھوڑ جانے کے حامی تھے؟

بحث کا پہلا رخ: مذہبی نقطۂ نظر

اس موقع پر مجھے بہت سے علمائے مذہب کی طرح یہ کہہ دینا بہت آسان ہے کہ اس قسم کے سوالات کا جن میں ائمہ دینؑ یا انبیاء ومرسلینؑ کی طرز عمل پر نکتہ چینی کا عنوان ہو، ہمارے مذہبی اصول کی بناء پر موقع ہی باقی نہیں رہتا۔ ہم کو ادلۂ قطعیہ اور براہین یقینیہ نے ایک ایسے مرکز پر پہنچا دیا ہے جہاں سے امامت ونبوت وتوحید کی کڑیاں اس طرح متصل ہوجاتی ہیں جن کے اندر جدائی

ناممکن ہے۔امامؑ پرالزام اس کی ذات سے تجاوز کر کے رسولؐ تک منتہی ہوتا ہے اور آخر میں ذات احدیت تک سرایت کرتا ہے۔ عصمت کے مرحلہ کومخصوص ادلہ وبراہین کے تحت میں طے کر لینے کے بعد اس کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی کہ ان ذوات مقدسہ کے افعال کومحل نقد واعتراض قرار دیا جائے۔ان بزرگان دین کی مثال بالکل ایک ایسے شخص کی ہے جس کو سلطان نے پورے طور پر جانچ کر ایک بڑے منصب کے لئے اہل سمجھ لیا ہو اور اسی اہلیت کی بنا پر اس کو سفیر بنا کر ایک خاص شہر میں بھیجا ہو کہ وہاں مطلوبہ اغراض ومقاصد کی تکمیل کرے، سلطان کی جانب سے اس کو ایک مخصوص دستورالعمل بھی دے دیا گیا ہو جس سے یکسر مو تجاوز کرنے کا اس کو حق نہیں ہے۔اسی صورت سے انبیاءؑ وائمہؑ اپنے اپنے دوررسالت وامامت میں ایک خاص دستورالعمل کے پابند ہیں جس میں ابتدائے دور سے لے کر انتہا تک ہر وقت کی مناسبت سے مخصوص حکم ومصالح کے ماتحت ایک حکم قرار دے دیا گیا ہے جس کی پابندی ان پر فرض ہے اور بعض مواقع پر جہاں مقصد کی تکمیل کے لئے قربانی کی ضرورت ہے وہاں جس قسم کی قربانی ضروری ہو وہ بھی ان کے فرائض میں داخل ہے۔ان حکم و اسرار سے جو اس قسم کے احکام کا منشاء ہیں رعیت کو بحث کا کوئی حق نہیں ہے۔مگر یہ طریقہ گفتگو اصولی حیثیت سے کتنا ہی مستحکم کیوں نہ ہو موجودہ زمانہ کی آب وہوا کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

آج کے زمانہ کا معترض اس طرح کا جواب سن کر اپنے اعتراض کی حقانیت کا زیادہ معتقد ہو جاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس کا کوئی جواب ممکن ہی نہیں ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ حسینؑ بن علیؑ کی شخصیت پر معترض کے نقطۂ خیال اور زاویۂ اعتقاد کے مطابق نظر ڈالوں۔

بحث کا دوسرا رخ: فلسفی حیثیت

میں حسینؑ کو صرف اس حیثیت سے دیکھتا ہوں کہ وہ ایک بلند مرتبہ عالی نسب باہمت انسان اور ایک محترم قبیلہ (بنی ہاشم) کے بزرگ خاندان اور سردار ہیں جو اپنے تئیں حسب ونسب اور ان کے اوصاف وکمالات کے باعث جو انہیں حاصل ہیں یزید سے زیادہ خلافت وسلطنت کا مستحق سمجھتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ جس صورت سے بھی ہو یزید سے کہ جو بلا استحقاق غاصبانہ طور پر مسند حکومت کا مالک بنا بیٹھا ہے اپنے حق کو حاصل کر لیں یا کم سے کم خود یزید کو خلیفہ وقت تسلیم کر کے اس کی بیعت میں داخل نہ ہوں۔جبکہ یزید کے رسوائے عالم افعال آفتاب سے زیادہ روشن ہیں اور یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ اگر یزید اسی صورت سے خلافت اسلامیہ پر قابض رہا تو کچھ ہی دن میں شعائر اسلامیہ نیست ونابود اور شریعت نبویہ کے فرائض وسنن نسیاً منسیاً ہو جائیں گے۔اسلامی افراد کی آنکھوں پر غفلت کے پردے پڑ چکے تھے۔ الناس علی دین ملوکھم کے فطری قانون کے مطابق ہر شخص کو اسلامی قانون کی خلاف ورزی میں خاص لذت محسوس ہونے لگی تھی، وہ اشخاص جن کے دل میں احساس مذہبی باقی تھا سلطنت کے خوف اور اپنی کمزوری کے باعث سکوت پر مجبور تھے۔ان حالات کے اندر حسینؑ یزیدی سلطنت کا تختہ الٹنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ان کا آخری نقطۂ نظر یہ بھی نہیں کہ خود تخت حکومت پر بیٹھ کر دنیا کے مال ومنال اور لذت حیات دنیا سے متمتع ہوں بلکہ ان کا مقصود اصلی یہ ہے کہ امت اسلامیہ کو اس ظالم کے فولادی پنجہ سے رہا کریں جس نے اس کو دینی ودنیوی ہر قسم کی ہلاکت میں ڈال رکھا ہے۔اس کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ رائے عامہ کو یزید کے خلاف برافروختہ کر دیں، جمہور مسلمین، تمام رعایا کے سامنے یزید کی اخلاقی پستی اور اسلام دشمنی کو مجسم صورت میں پیش کریں اور دنیا کو دکھلا دیں کہ یہ شخص کسی صورت سے سلطنتِ مسلمین کا حقدار نہیں ہے۔امام حسینؑ کو اس مقصد کے حصول میں اس سے زیادہ موثر اور نتیجہ خیز کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ وہ اپنے نفس کو خطرات کے مقابلہ میں پیش کر دیں، اپنے تئیں ہر قسم کے مصائب کا نشانہ بنا کر عالم کے سامنے ظالم اور مظلوم کا انتہائی حیرت انگیز مرقع دکھلا دیں جس میں ایک طرف حق وصداقت، رحم وکرم، اخلاص عمل اور وفا، ثبات قدم،

جانبازی، صبر وتحمل اور دوسری طرف ظلم وستم، جفا کاری قساوت قلب، بے حمیتی، کم ظرفی، وحشت وحیوانیت کا مکمل نقش موجود ہے۔ اوراس کے سبب مسلمانوں کے دلوں پروہ چوٹ پڑے جس کا نتیجہ انقلاب سلطنت کی صورت میں نمایاں ہو، صرف قتل ہوجانا اس مقصد کو پورا نہیں کرسکتا تھا۔ عرب قوم میں بات پر مرمٹنا ایک معمولی بات تھی۔ عربی جانبازوں کی آخری سانسیں اکثر تلواروں کی چھاؤں میں چلتی تھیں، پھر فرزند رسولؐ بھی اگر اپنی جان سے گزر کر قتل کو منظور کر لیتے تو اس کو کوئی خاص اہمیت عام نفوس میں حاصل نہیں ہوسکتی تھی۔ حسینؑ نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے اہل حرم کو اپنے ساتھ رکھنا ضروری سمجھا۔ عورتوں اور بچوں کے ساتھ ہمدردی انسانی طبائع میں فطری طور پر داخل ہے اور بالخصوص عرب قوم میں غیرت وحمیت کے تحت میں یہ جذبہ خصوصیت سے پایا جاتا ہے، فرزند رسولؐ یزید اوراس کے بندۂ زر اتباع سے یقین رکھتے تھے کہ وہ بخیال خود فتح پانے کے بعد ان بے والی ووارث عورتوں کے ساتھ رحم وکرم کا کچھ بھی خیال نہ کریں گے اور مظالم ومصائب کا سلسلہ ان اہل حرم کے ساتھ ایک طویل مدت تک جاری رہے گا، خاندان رسولؐ کے مخذرات مختلف شہروں میں پھرائے جائیں گے، قید خانہ میں مقید کئے جائیں گے اوران کے ساتھ ہر قسم کا ظلم وستم روا رکھا جائے گا۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ فوراً نہیں تو کچھ عرصہ کے بعد مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں گی اور دلوں میں جذبات حزن وملال سے تلاطم برپا ہوگا، یقیناً بنی امیہ کی سلطنت تباہ ہوگی۔ حسینؑ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، ظاہری صورت سے تو یزید نے حسینؑ اور ان کے تمام انصارؓ واعوانؓ کو قتل کرڈالا لیکن حقیقتاً حسینؑ نے یزید اور تمام بنی امیہ کو ان کی پوری سلطنت سمیت قتل کیا۔ حسینؑ کی فتح ہوئی اور یزید کی شکست، اور شکست بھی ایسی کہ روز قیامت تک جس کے بعد فتح نصیب نہیں ہوسکتی۔

سیدالشہداءؑ کا تبلیغی نقطۂ نظر

امامؑ کو معلوم تھا کہ وہ قتل کئے جائیں گے؟ بے شک معلوم تھا بلکہ یہ بھی معلوم تھا کہ تمام اعوانؓ وانصارؓ اعزا، حتی ششماہہ بچہ بھی باقی نہ رہے گا۔ مردوں میں سوائے ایک بیمار فرزند کے کوئی نہ بچے گا، سب دو پہر کے عرصہ میں قتل ہوجائیں گے، یہ بھی یقینی تھا کہ بنی امیہ آپ کے قتل کو مختلف لباس پہنا کر دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کریں گے کہ آپ کا قتل مذہبی قوانین کے لحاظ سے قابل اعتراض نہیں بلکہ اصول کے مطابق ہے اور یہ کہ حسینؑ خلیفۂ وقت پر خروج کے باعث اس کے مستحق تھے کہ ان کو قتل کیا جائے۔ عراق میں امیرالمومنینؑ کی چند روزہ خلافت ظاہریہ کی بدولت اہلبیت رسولؐ کو پہچاننے والے کچھ نہ کچھ تعداد میں موجود تھے لیکن شام نے اسلامی دنیا میں آنکھ کھول کر سوائے اموی سلاطین اوران کے جاہ وحشم کے کچھ نہ دیکھا تھا، ان کے کان علیؑ ابن ابی طالب پر سب وشتم کو نماز کے وظائف اور جمعہ کے خطبوں میں سننے کے عادی تھے اوران میں سے بیشتر افراد اس مقدس ہستی اور خاندان رسولؐ کے محترم افراد کو پہچانتے بھی نہ تھے۔ ان میں سے ایسے بھی تھے کہ جب ان سے پوچھا جاتا تھا یہ کون شخص ہے جس پر بعد نماز سب وشتم کی جاتی ہے؟ تو وہ کہتے تھے **(اراہ الصامن الصوص العرب)** میرے خیال میں تو یہ عربستان کے ڈاکوؤں میں سے کوئی شخص ہے۔ (عقد فرید) ان حالات کی موجودگی میں کوئی شبہہ نہیں کہ ادھر حسینؑ قتل ہوتے ادھر واعظین اور خطباء کی زبانیں خلیفۂ وقت کے طرز عمل کو سراہتے اوراس کے حق بجانب ثابت کرنے میں مصروف ہوجاتیں اور اس وقت غزالی کا رسوائے زمانہ مقولہ **(قتل الحسین بشرع جدہ)** بالکل عام افراد مسلمین کی نظر میں حقیقت کا لباس پہن لیتا، اس صورت میں سیدالشہداءؑ نے اپنی جان ومال، اولاد سب کو شرع اسلامی کے احیاء اوراپنی مذہبی خودداری کی نگہداشت میں صرف کیا لیکن نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ تاریخ کے ورق اور کتب سیر کے صفحات نے یزید کو (مثل دیگر جنگ آزما ہستیوں کے) غازی اورمجاہد کا لقب دے دیا اور پیکر حقیقت، روح صداقت، امام بالحق حسین بن علیؑ دنیا میں ہمیشہ کے لئے مجرم باغی اور مستحق قتل

سمجھ لئے گئے۔کیا حسینؑ کا تدبر اس کی اجازت دے سکتا تھا؟ کیا وہ اپنی جان کو ہاتھ سے دیتے ہوئے مقصد کو بھی ہاتھ سے دے دیتے؟

یہ قتل حسینؑ بن علیؑ کا صرف ان کا قتل نہ ہوتا بلکہ ان کی تحریک، ان کے مقصد، ان کی ہر دلعزیزی، ان کی پاکدامنی اور نفسانی صفات وخصوصیات دین اسلام اور شریعت حقہ کے قتل کا مرادف تھا اور اس سے بڑھ کر سید الشہدؑاء کی شکست کوئی نہیں ہوسکتی تھی۔

امامؑ کے لئے اپنے قتل کے بعد اس مقصد کی حفاظت کا کون سا ذریعہ تھا؟ کس پر وہ اعتماد کرتے کہ وہ ان کی شہادت کے فلسفہ اور ان کی حقانیت وصداقت کی تبلیغ کے حق کو ادا کرے گا؟ کیا وہ اپنے اعزّا اور انصاؑر پر بھروسہ کرتے؟ وہ تو سب ان کے سامنے قتل ہونے والے تھے۔کیا وہ بیمار فرزند زین العابدینؑ پر اعتماد کرتے؟ وہ تو خود طوق وزنجیر میں گرفتار اور شدائد مرض میں مبتلا تھے اور ان کا قتل کرنا سخت دل دشمنوں کے لئے معمولی بات تھی۔ پھر کون تھا جو امامؑ کے بعد اس اہم فریضہ کا ذمہ دار ہو؟ کون دنیا کے سامنے حقانیت وصداقت کو بے نقاب کر کے دشمنوں کی حکمت عملی اور حیلہ سازی کو مکمل شکست دیتا اور بھرے ہوئے مجمعوں میں، بازاروں کے اندر پرزور مدلل تقریروں سے ناواقف افراد کے سامنے حقیقت کو واضح کرتا؟

اس وقت کو دیکھو اور ان حالات پر غور سے نظر ڈالو۔ وہ ہولناک مواقع ایسے نہ تھے کہ کسی بڑے سے بڑے مرد کے قدم وہاں ٹھہر جاتے۔فرض بھی کر لیا جائے کہ کوئی مسلمان اپنی جان پر کھیل کر اس موقع پر کھڑا ہوتا تو کیا اس کو اتنی مہلت بھی دی جاتی کہ وہ اپنے فرض کو ادا کر سکے؟ کون تھا جو حسینؑ کے مقصد کی تکمیل کرتا؟ بے شک اس مقصد کو پورا کیا تو ان ہی بے والی ووارث عورتوں نے جو قیدی بنا کر شہر بہ شہر پھرائی جا رہی تھیں جن کے دلوں میں غم وغصہ کی آگ بھڑک رہی تھی، جن کی رگوں میں علوی وفاطمی خون جوش کھا رہا تھا، جن کی زبانوں سے نبوی بلاغت اور علوی فصاحت الفاظ کی صورت میں موجزن تھی۔انہوں نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے پر جگر مردوں سے نہ ہوتا اور ایسے سخت مواقع پر فریضہ تبلیغ کو ادا کیا جن میں بہادروں کے دل چھوٹ جاتے۔فرزند رسولؐ کو معلوم تھا کہ وہ قتل کئے جائیں گے اور جتنے یگانے بیگانے آپ کے ساتھ ہیں سب شہید ہوں گے اور مردوں میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جو اسلامی افراد کے سامنے حقیقت کو بے نقاب کر کے ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹائے۔آپ اگر اس پہلو سے چشم پوشی کرتے اور اپنے بعد کے لئے اس مقصد کا کوئی سرانجام نہ کر جاتے تو یقیناً آپ کی قربانی غیر مکمل اور عبث رہتی اور اس سے جو اصلی مقصد تھا وہ حاصل نہ ہوتا۔ اس نصب العین کی تکمیل کے لئے حضرت کو مخدارت عصمتؑ کا اپنے ساتھ رکھنا ضروری معلوم ہوا۔

حضرت کو اس امر کا احساس تھا کہ بنی امیہ اسلامی احکام و قوانین اور عربی عادات واخلاق سے جتنا بھی تجاوز کریں، لیکن یہ نہیں ممکن کہ ان کو بے والی ووارث عورتوں کے قتل کی ہمت ہو۔ نہیں ممکن کہ وہ ایک مصیبت زدہ غم رسیدہ عورت کو قتل کریں، جس کا قصور صرف اتنا ہو کہ دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے اس نے کچھ الفاظ زبان سے نکالے ہوں۔روز عاشورا اگر چہ دشمنوں کے ہاتھ سے بعض عورتیں اور بچے بھی قتل ہوئے لیکن معرکۂ جنگ کے خصوصیات دوسرے اوقات سے مختلف ہیں۔ابن زیاد اپنے تمام ظلم وجور اور طغیان وسرکشی کے باوجود ہرگز اس امر پر قادر نہ تھا کہ وہ غیر معرکہ جنگ میں ایک بیکس و بے بس عورت کا خون بہاتا جو اس کے سامنے ایک قیدی کی صورت میں کھڑی ہو۔

ملکی قوانین کی شرما شرمی یا عوام کے جذبات کے خیال سے سہی لیکن وہ کسی عورت کو قتل کرنا تو درکنار ظاہر بظاہر ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ دیکھو جب مخدرہ رسالت زینب کبریٰؑ نے اپنی باطل شکن تقریر سے اس کے بلکہ تمام اموی حکومت کے کفر وفسق اور خبث وشقاوت کو طشت ازبام کر دیا اور **ثکلتك امك یا ابن مرجانہ** کے تعریضیہ کلمہ نے دنیا کو اس کی آنکھوں کے

سامنے تاریک بنادیا تو اس نے چاہا کہ ہاتھ اٹھائے اور زینب کبریٰؑ سے ان کے جگر سوز الفاظ کا بدلا لے لیکن اسی کے لشکر کا بڑا سردار عمرو بن حریث سامنے آ گیا اور اس نے ابن زیاد کو یہ کہہ کر روک دیا کہ عورت کو اس کی زبان سے نکلی ہوئی باتوں کی سزا نہیں دی جاتی۔ ابن زیاد کو یہ کہہ کر ساکت ہو جانا پڑا کہ **اما تراها کیف تجرّأت علیّ** تو نہیں دیکھتا کہ زینبؑ نے میرے ساتھ کتنی بڑی جسارت کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حسینؑ اور انصارِ حسینؑ نے کربلا میں وہ یادگار نمونہ پیش کیا جس کا مثل ناممکن ہے انہوں نے شجاعت و جرأت کا مجسمہ بن کر ثبات قدم و استقلال کے وہ جوہر دکھلائے جن کی نظیر تاریخی صفحات میں ڈھونڈھنے سے نہیں ملتی۔ ستر آدمی ستر ہزار کے مقابل میں کھڑے ہوئے پھر ان کو کوفہ و شام سے برابر مدد پہنچنے کی توقع اور ان کو کسی امداد کی امید نہیں۔ وہ نہر کے کنارے سیر و سیراب، اور یہ ریگستان میں دو تین دن کے پیاسے۔ آفتاب کی گرمی، لوہے کی تپش، زخموں کی کثرت، آنکھوں کے سامنے بچے پیاس سے جاں بلب، ان تمام حالات کے باوجود پائے ثبات میں تزلزل آنا تو کیسا، چہروں پر شکن بھی نہ آنے پائی، بلکہ جتنا وقت سخت ہوتا جاتا تھا ان کے چہروں کی بحالی، رگوں میں خون کی روانی، ارادوں کی پختگی زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ یقیناً بڑا حیرت انگیز، دہشتناک موقع تھا جس میں ٹھہرنا ان ہی بہادروں کا کام تھا لیکن اگر غور کرو تو اس سے زیادہ عظیم اور دہشت انگیز وہ موقف تھا جہاں خاندان رسالت کے مخدرات عصمت و طہارت کو ٹھہرنا پڑا تھا اور وہ یزید و ابن زیاد کا دربار ہے۔

ذرا دیکھو تو سہی! کوفہ میں قصر دارالامارہ کے اندر دربار آراستہ ہے، ابن زیاد تخت حکومت پر فتح و ظفر کے نشہ میں سرشار بیٹھا ہے۔ تمام ارکانِ دولت، روسائے قبائل، عمالِ حکومت حاضر ہیں اور سامنے عام ملازمینِ بارگاہ صف در صف دم بخود ایستادہ ہیں۔ دنیا اپنی تمام ظاہری شان و شوکت کے ساتھ مجسم صورت میں موجود ہے۔ اس حالت میں اسرائے اہلبیتؑ اور سرہائے شہدآء لائے جاتے ہیں، ان ہی قیدیوں میں عقیلہ حوراء زینب کبریٰؑ بھی ہیں۔ اور وہ ایک گوشے میں عام نظروں سے ذرا دور ہٹ کر بیٹھ جاتی ہیں، ابن زیاد کی کمینہ نفسی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ بلند ہمت فاتحین کی صورت سے دشمن پر ظفر پانے کے بعد معاف کردے، یا کریم النفس اور باوقار افراد کے طریقہ پر سکوت سے کام لے۔ اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ اپنی فتح و ظفر کا زبانی اظہار کرکے ان کے دکھے ہوئے دلوں کو اور دکھائے۔ عظمت و جلالت چھپائے سے نہیں چھپتی، اس نے حضرت زینبؑ کو قرائن سے پہچانا اور ضرور پہچانا لیکن صرف بخیال خود ہتک حرمت کے لئے (جس کا نتیجہ خود اس کی سبکی اور ہتک کی صورت میں ظاہر ہوا) پوچھنے لگا کہ یہ کون عورت ہے جو لوگوں کی نظر بچا کر دور بیٹھی ہے؟ کسی نے کہا کہ یہ زینب دخترِ علیؑ ہیں۔ اب ابن زیاد کو اپنی فتح و ظفر کے مظاہرے اور زینبؑ کی شماتت اور دل آزاری کا موقع پیدا ہو گیا۔

ابن زیاد: ''کیوں زینبؑ! دیکھا خدا نے تمہارے بھائی اور ان کے باغی ساتھیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟'' اس سوال کا جواب ایک ستم رسیدہ عورت جو قیدی کی صورت میں ہو کیا دے سکتی ہے، کیا اس کے دل میں اتنی طاقت، زبان میں اتنی قوت باقی رہ سکتی ہے کہ وہ جواب سنجیدگی کے ساتھ دے؟ لیکن ذرا ان لفظوں میں غور کرو جو زینب کبریٰؑ نے جواب کی صورت میں کہیں۔ ان میں کہیں اضطراب، خوف، بے صبری، ناسمجھی کی جھلک ہے؟ ''میں نے تو اچھا ہی اچھا دیکھا، یہ وہ لوگ تھے جن پر قتل ہونا خط تقدیر نے لکھ دیا تھا، وہ اپنے پیروں سے اپنے مقتل کی طرف گئے اور وہ دن دور نہیں کہ جب خدا کے سامنے تیرا اور ان کا مقابلہ ہوگا اور تجھ کو جواب دہی کرنا ہوگی، اس وقت دیکھنا کہ فتح کس کی ہے؟''

زینبؑ کے یہ جملے معانی کا دفتر اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ فلسفہ مظلومیت کے تمام نکات و اسرار ان چند کلموں میں مضمر اور عقیدۂ معاد اور دار آخرت کی تبلیغ ان کا مخصوص جوہر ہے۔

ابن زیاد کے لئے سنجیدہ بحث کا دروازہ بند تھا، اس کی زبان رک چکی تھی، اس کی تمام ظاہری شان و شوکت، دولت و

ثروت ان الفاظ کا جواب دینے کے لئے کام آنے والی نہیں تھی اس کو سب وشتم اور عامیانہ گفتگو کے سوا چارۂ کار نظر نہ آیا۔

ابن زیاد: ''خدا کا شکر کہ تم لوگوں کو قتل کیا، تمہیں رسوا کیا اور تمہاری باتوں کو جھوٹ ظاہر کر دیا۔'' اس کے جواب میں کیا زینبؑ بھی ایسی ہی غیر سنجیدہ اور انسانیت سے گری ہوئی تقریر کرتیں؟! لا واللہ!! زینبؑ کی شان اس سے ارفع و اجل تھی، وہ اس موقع پر باطل کا مقابلہ حق سے، لغو باتوں کا جواب دلیل و برہان سے دے رہی تھیں۔ انہوں نے کتنی شاندار لفظوں میں جواب دیا جن پر بلاغت نثار ہو رہی ہے۔

''رسوا وہ ہوتا ہے جو فاسق ہو اور جھوٹ اس کا کھلتا ہے جس کو سچائی کا لحاظ نہ ہو اور وہ ہم نہیں ہمارا غیر ہے۔'' حسینؑ و انصارِ حسینؑ نے ظہر عاشور دشمنوں کا مقابلہ کیا، ان کے ہاتھوں میں چلتی ہوئی تلواریں تھیں، ان کے دوش پر باڑھ دار نیزے تھے، عزت ان پر سایہ فگن اور شرف ان کے ہمرکاب تھا، ان میں ایک اس وقت قتل ہوتا تھا جب وہ دشمنوں میں سے سیکڑوں کو قتل کر لیتا تھا۔ وہ خوش تھے، ان کے لبوں پر تبسم تھا صرف اس خیال سے کہ تھوڑی دیر میں وہ دنیوی آلام سے نجات حاصل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنۃ الفردوس میں جا کر قیام کرنے والے ہیں۔ یہ اس موقف کی صورت تھی جہاں شہدائے کربلا کو کھڑا ہونا پڑا تھا، لیکن وہ موقع جو زینبؑ کبریٰ اور ان کے ساتھ کی مخدرات عصمت کو برداشت کرنا پڑا اس سے مختلف ہے، وہ دربار ابن زیاد میں قیدی کی صورت میں کھڑی تھیں، وہ نظر اٹھا کر جدھر دیکھتی تھیں سوائے شماتت کرنے والے دشمنوں اور ہنس ہنس کر طعن و تشنیع کرنے والے اشقیا کے کوئی نظر نہ آتا تھا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہ جفا کار اشخاص موجود تھے جن کی تلواروں نے ان کے جوان فرزندوں، بھائی بھتیجوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا۔ وہ اپنے تئیں ایک ایسے مقام پر قیدی کی صورت میں دیکھ رہی تھیں جہاں وہ ایک وقت میں سلطنت کر چکی تھیں۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جو انسان کو بے قابو، عقل و حواس کو مختل اور زبان و دل کو بے طاقت بنا دیتی ہیں، جن کی موجودگی میں شجاع ترین انسان ایک کلمہ زبان سے کہنے کے قابل نہیں ہوا کرتا۔

زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کے ان خصوصیات و حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کسی شخص کو یہ کہنے میں جھجک ہو سکتی ہے کہ انہوں نے دربار ابن زیاد میں جس منزل کو طے کیا وہ اس مرحلہ سے زیادہ دشوار تھی جس کو انصار سید الشہداؑء نے کربلا کے میدان میں قطع کیا؟ تاریخی حالات کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان طاقت ربا اور ہمت شکن حالات کی موجودگی میں ابن زیاد کے سامنے زینبؑ کی زبان میں لکنت یا ان کے دل میں کسی قسم کا اضطراب یا ان پر کسی طرح کے خوف و دہشت کا اثر تھا؟ کیا یہ واقعہ نہیں کہ انہوں نے اس موقع پر ایسی پُر حقائق تقریریں کیں جن کو اگر ایک فارغ البال اور مطمئن شخص کئی رات دن کی فکر میں تیار کرتا تب بھی وہ اپنی نوعیت میں یادگار کی حیثیت نہ رکھتیں۔ پھر جناب زینبؑ نے تو ہزاروں اشخاص کے مجمع میں ایسے موقع پر ان خطبوں کو ارشاد فرمایا تھا جب وہ مصائب اور شدائد کے بتیس دانتوں میں زبان کی طرح گھری ہوئی تھیں، جبکہ مظالم کی چکی ان پر چل رہی تھی اور ان کی زندگی کا مشکل ترین موقع تھا۔ آخر ابن زیاد نے جب پوری طرح سمجھ لیا کہ زینبؑ پر اس کی سطوت و شوکت کا ذرہ برابر اثر نہیں ہے اور یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ ان کی باتیں رائے عامہ کو اس کے خلاف منقلب نہ کر دیں اور اس کی رسوائی اور فضیحت میں نقاب خفا کے جو تھوڑے بہت تار باقی ہیں وہ بھی معدوم نہ ہو جائیں تو اس کو تقریر کا رخ بدلنا پڑا اور آخری لفظیں جو اس کی زبان سے نکلیں وہ یہ تھیں **(لعمری انہا لسجاعۃ ولقد کان ابوھا اسجع منہا)** خدا کی قسم زینب بڑی عبارت آرائی کرنے والی ہیں اور ان کے باپ تو ان سے زیادہ عبارت آرائی میں کامل تھے۔

نہیں نہیں اے ابن مرجانہ! زینبؑ صرف عبادت آرائی کرنے والی نہیں ہیں۔ وہ ثبات و استقلال کا مجسمہ، حقانیت و صداقت کا پیکر ہیں، وہ حکومت جابرہ اور سلطنت ظالمہ کے مقابل

حق کی آواز بلند کرنے کی امانتدار ہیں، وہ علی بن ابی طالبؑ کی یادگار ہیں، جنہوں نے دنیا کو فصاحت و بلاغت اور شجاعت و جرأت کا سبق دیا۔ وہ معصومہ کبریٰ فاطمہ زہراؑ کی بیٹی ہیں، جن کی عصمت وطہارت پر آیہ تطہیر نے مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ نہ مرجانہ اور سمیہ یا ہند جگر خوارہ جن کے رسوائے عالم واقعات سے تاریخ کی پیشانی عرق انفعال سے تر ہے۔

زینبؑ کی یہ شجاعت و جرأت ایک مرتبہ دو مرتبہ سے مخصوص نہیں بلکہ اس کا ظہور ہر اس موقع پر ہوتا رہا کہ جب مشکلات کا ہجوم اور مصائب کا اژدہام تھا۔ جبکہ تماشائیوں سے بازار، کوٹھے، برآمدے مملو تھے۔ کوفہ میں داخلہ کے وقت، کوفہ سے نکلنے کے موقع پر، راستے میں، بازار شام کے اندر ہر مناسب موقع پر زینبؑ کی زبان فریضۂ تبلیغ میں گویا تھی۔ انہوں نے حق کے واضح کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا انہوں نے ہر موقع پر ایسی تقریر کی جو کسی ایسے خطیب سے بھی ناممکن ہے جس کے لئے تمام خاطر جمعی اور راحت واطمینان کے اسباب موجود ہوں۔

قیدیوں کا قافلہ کوفے میں پہنچا، اس صورت میں کہ جس سے پتھر کا دل بھی پگھل جائے۔ زنان کوفہ نے فطرتاً بیچین ہو کر رونا شروع کیا، سید سجادؑ نے ضعف و مرض کے باعث تھراتی ہوئی آواز میں کہا ''تم ہی لوگوں نے تو ہمارا خون بہایا، اب تمہاری عورتیں ہمارے حال پر روتی ہیں؟ ہمارا تمہارا فیصلہ روز جزا خدا کے سپرد ہے۔''

پھر ذرا واقعہ کی دردانگیزی بڑھی اور مرد وزن ہم آواز ہو کر رونے لگے۔ امامؑ نے فرمایا ''تم لوگ ہمارے لئے روتے، نوحہ کرتے ہو؟ پھر آخر ہم کو قتل کس نے کیا ہے؟''

بشر بن خزیم اسدی ناقل ہے کہ اس موقع پر زینبؑ بنت علیؑ نے مجمع کی طرف رخ کیا اور تقریر شروع کی، میں نے آج تک کسی پردہ نشین عورت کو اتنی پرزور تقریر کرتے ہوئے نہ سنا تھا، گویا علی بن ابی طالبؑ کھڑے ہوئے تقریر کر رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں کی طرف سکوت کا اشارہ کیا، جس کے ساتھ ہی ہر طرف خاموشی چھا گئی، انہوں نے کہا:۔

''حمد کا مستحق خدا ہے اور صلوٰۃ وسلام میرے پدر بزرگوار محمد مصطفیٰ'' اور ان کی عترت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اے اہل کوفہ! اے اہل مکر و دغا! تم روتے ہو؟ خدا کرے ان آنسوؤں کو تھمنا نصیب نہ ہو اور ان نوحہ وفریاد کی آوازوں میں سکون نہ ہونے پائے۔ (آپ کی تقریر کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ فرمایا) کیا تم سچ مچ آنسو بہا رہے ہو اور چیخیں مار مار کر رو رہے ہو؟ بے شک تم اسی کے مستحق ہو۔ جتنا ممکن ہو زیادہ روؤ اور ہنسی کو کم آنے دو۔ تم سمجھے بھی کہ رسول خداؐ کے جگر کو کیسے تم نے چاک کردیا اور ان کے گھرانے کی کیسی عزیز خواتین کو تم نے بے پردہ کیا اور ان کا کیسا خون تم نے زمین پر بہایا اور ان کی کتنی بڑی ہتک حرمت تم نے کی؟ کیا تم کو اس بات پر تعجب ہے کہ آسمان سے خون برسا؟ یہ تو کچھ نہیں! آخرت کا عذاب بہت سخت ہے اور اس وقت تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اس چندروزہ مہلت کے زمانہ سے مغرور نہ ہونا، خدا کو جلد بازی کی ضرورت نہیں، نہ موقع نکلنے کا خوف ہے۔ وہ یقیناً تمہاری تاک میں لگا رہے گا۔''

راوی ناقل ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا بے ہوش وحواس دانتوں میں انگلیاں دبائے ہوئے رو رہے تھے اور ایک بڈھے کو میں نے روتے ہوئے دیکھا، وہ کہہ رہا تھا ''میرے ماں باپ تم لوگوں پر نثار، تمہارے بوڑھے تمام دنیا کے بوڑھوں سے بہتر اور تمہارے جوان تمام جوانوں سے بہتر اور تمہاری عورتیں تمام عورتوں میں افضل و بہتر اور تمہاری نسل تمام جہاں کی نسل سے بہتر ہے، نہ وہ کبھی ذلیل ہوسکتی ہے نہ رسوا۔''

پھر ام کلثومؑ نے ایک فصیح وبلیغ خطبہ کہا اور ان کے بعد فاطمہ بنت الحسین نے تقریر کی (الحمد لله عدد الرمل والحصى وزنة العرش الى الثرى الخ)

یہ اس وقت کا تذکرہ ہے جب یہ قافلہ بے پردہ محمل وکجاوہ کے اندر کوفہ میں جارہا تھا یا دربار ابن زیاد میں لایا گیا تھا، لیکن اب ذرا آگے بڑھ کر دربار یزید پر ایک نظر ڈالو اور دیکھو یہ قافلہ

اس دربار میں کس طرح لایا جاتا ہے۔

یزید سریر حکومت پر دو نشوں میں سرشار بیٹھا ہے، ایک نشہ شراب کا، دوسرے نشۂ فتح وظفر، اور اس کے گرد طواغیت بنی امیہ و بنی عبدالشمس، ارکان دولت طلائی ونقرئی کرسیوں پر حریر ودیبا کے لباسوں میں ملبوس مجتمع ہیں۔ شراب کے دور چل رہے ہیں، اور دولت وثروت، طرب ونشاط کا نقشہ کھینچا ہوا ہے۔ اس حالت میں خاندان رسالت کی عورتیں اور بچے رسیوں میں بندھے ہوئے دربار میں لائے جاتے ہیں۔ اس وقت یزید کے مسرت ونشاط کا پارہ ذرا اونچا ہوجاتا ہے اور وہ اس بات کی آرزو کرنے لگتا ہے کہ کاش جنگ بدر میں لشکر اسلام کے ہاتھوں سے قتل ہونے والے اس کے بزرگ ہوتے اور وہ دیکھ لیتے کہ خاندان رسالت سے ان کا بدلہ کس طرح سے لیا گیا (لیت اشیاخی ببدر شھدوا الخ)

یہ موقع وہ تھا کہ معصومۂ صغری زینب کبریٰ کھڑی ہوئیں اور وہ تقریر شروع کی جس نے یزید کے تمام جاہ وجلال کی عمارت کو متزلزل کردیا۔ ان الفاظ کو غور سے سنو اور دیکھو۔ ان الفاظ اور ان کے معانی کی شان وشوکت اور پرزور طاقت کس طرح یزید کو اس کے تمام جبروت سمیت پرکاہ سے زیادہ بے وقعت ثابت کردیتی ہے!! زینب سلام اللہ علیہا کھڑی ہوئیں اور کہا ''کتنا سچا ہے میرے پروردگار کا ارشاد (ثم کان عاقبة الذین اسآءو السوی ان کذبوا بِاٰیَاتِ اللہ وَکَانُوا بِہَا یَسْتَہْزِءُون)'' آخر میں ان لوگوں کی جنہوں نے برے اعمال کیے یہ نوبت پہنچی کہ انہوں نے آیات خدا کی تکذیب کی اور وہ ان کی ہنسی اڑاتے تھے'

تونے اے یزید کیا یہ گمان کیا جب تونے ہم پر زمین وآسمان کے تمام راستوں کو بند کردیا اور ہماری حالت یہ پہنچی کہ تیرے سامنے قیدیوں کی طرح لائے جائیں تو اس سے خدا کی نظر میں ہماری حقارت اور تیری کچھ عزت ہوگئی اور یہ کہ تیری کامیابی تیرے رفعت اور مراتب کے باعث تھی؟ اس خیال سے تیری ناک چڑھ گئی اور تو خوش ہوہوکر (غرور وتکبر کے ساتھ) اپنے شانوں پر نظر ڈالنے لگا۔ جب تونے دیکھا کہ دنیا تیرے حکم کی پابند اور امور مملکت منظم ومرکب ہیں اور ہماری سلطنت وحکومت تیرے لئے تمام خطرات سے صاف ہوگئی، کیا تو بھول گیا قول خدا کو کہ (نہ خیال کریں، وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دیتے ہیں وہ ان کے لئے اچھی بات ہے۔ ہم تو ان کو مہلت دیتے ہیں اس لئے کہ وہ خوب دل کھول کر گناہ کریں اور آخر ان کے لئے حقارت آمیز سزا مقرر ہے) کیا انصاف کا اقتضا یہی ہے کہ تو اپنی عورتوں کنیزوں کو تو پردے میں رکھے ہوئے ہے اور دختران رسولؐ کو قیدیوں کی صورت میں دربدر پھراتا ہے پھر اس پر بڑی بے باکی اور جرأت کے ساتھ کہتا ہے (لا ھلو اواستھلو افرحا) اگر بدر میں مارے جانے والے بزرگ اس کو دیکھتے تو خوشی کے مارے چیخ اٹھتے۔

تو اپنے بزرگوں کو بخیال خود پکارتا ہے۔ گھبرا نہیں، تھوڑے ہی دن میں تو بھی اسی گھاٹ پر پہنچے گا اور یقینا اس وقت تو آرزو کرے گا کہ کاش تیرے ہاتھ شل اور زبان گنگ ہوتی اور تونے جو کچھ کہا اس کو نہ کہتا اور جو کیا اس کو نہ کرتا۔ تیرے لئے اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ خدا فیصلہ کرنے والا اور محمد مصطفیؐ تیرے مقابل میں مدعی اور روح الامین ان کی پشت پناہ اور مددگار ہوں گے۔ اس وقت ان لوگوں کو بھی جنہوں نے تیرے افعال کی تائید کی اور تیرا ساتھ دے کر مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کیا معلوم ہوگا کہ ظالمین کو کیسا برا بدلا دیا جاتا ہے۔''

کیا کسی مصور یا مضمون نگار کا قلم یزید کی حالت اور فتح وظفر کے باعث اس کے خوشی ونشاط اور غرور وتکبر کی تصویر برموقع اس موثر انداز سے کھینچ سکتا ہے جس صورت سے زینبؑ کبریٰ نے اس مختصر وقت میں کھینچی تھی؟ کیا کسی واعظ شیریں زبان اور مبلغ کی یہ طاقت تھی کہ وہ اس موقع پر یزید کے بڑھتے ہوئے سرکشی وتمرد کے پارے کو اس صورت سے گھٹاتا؟

کیا اپنے طاقتور اور مالک تاج وتخت دشمن کے مقابل میں اپنی عظمت و جاہ وجلال کا بیان اس وقت پر ممکن تھا کہ جب

ظاہری اسباب کو دیکھتے ہوئے عزت و احترام کے تمام حیثیات مفقود اور ذلت و اہانت کے تمام اعتبارات موجود ہیں؟ یہ حق کی طاقت تھی جس نے اس وقت یزید کے سر کو خم کر دیا۔ حضرت زینبؑ نے اتنے ہی پر اکتفا نہیں کی بلکہ چاہا کہ خود اس کو اور اس کے ہم نشین اہل دربار کو حق کا جاہ وجلال اور باطل کی سچی بے وقعتی اور کم قدری مجسم صورت سے دکھلا دیں اور یہ کہ کس طرح جو ہر حقیقت کی مالک ہستیاں قوت و سلطنت اور خوف وہیبت کے اسباب کی طرف ذرہ برابر پروا نہیں کرتیں۔ انہوں نے چاہا کہ خود یزید کو اس کی کم قدری اور بے حقیقتی، پست فطرتی اور بے بضاعتی، حسب ونسب کی پستی کا احساس کرا دیں اور دکھلا دیں کہ وہ خود اس سے اجل وارفع ہیں کہ اس سے بات تک کرنا پسند کریں، ارشاد ہوتا ہے:۔

''اگر چہ انقلابات زمانہ نے یہ نوبت پہنچادی کہ میں تجھ سے بات کر رہی ہوں، حالانکہ میں تیری قدرومنزلت کو بہت کم جانتی ہوں اور تیری توبیخ وسرزنش کو اپنے لئے بڑی مصیبت سمجھتی ہوں، لیکن کروں کیا کہ دل بھرا ہوا ہے اور کلیجہ میں آگ لگی ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ خدا پرست افراد شیطانی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوں!!!''

اس کے بعد حضرت زینبؑ نے چاہا کہ صریحی طور پر مظلومیت اور اس کے نتائج اور ظاہری فتح میں شکست اور شکست میں فتح کا پہلو اور ظاہری اسباب کا انجام کی حیثیت سے معکوس نتیجہ واضح کر کے بیان کر دیں اور بتلا دیں کہ مقصد میں کامیابی اور نتیجہ کی خوشگواری ان کے لئے تمام مشکلات کو آسان کئے ہوئے ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے کہ جس کے بیان میں اہل قلم بسیط سے بسیط مضامین لکھتے ہیں اور جس پر حسینی سیاست کی حقانیت و صداقت کا دارومدار ہے۔ فرماتی ہیں:۔ ''اچھا (اے یزید! تجھ کو قسم ہے) تو کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھ اور اپنی پوری کوشش کو صرف، اپنی تمام جدو جہد کو ختم کر دے، لیکن (یاد رکھ) خدا کی قسم تو ہمارے ذکر کو محو، ہماری زندگی کو فنا نہیں کر سکتا اور نہ ہمارے اصلی مقصد تک تو پہنچ سکتا ہے، اس واقعہ کا ننگ وعار تجھ پر قیامت تک باقی رہے گا اور تو کبھی اس کو دھو نہیں سکتا ہے۔ تیری رائے یقیناً غلطی پر، تیرے ایام زندگی بہت محدود، تیرے اردگرد کا مجمع بہت جلد تتر بتر ہونے والا ہے۔ وہ دن بہت نزدیک ہے جب منادی کی آواز بلند ہوگی **الا لعنة الله علی الظالمین**۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے پیشرو بزرگوں کا انجام سعادت کے ساتھ اور ہمارے آخری بزرگ کا انجام شہادت ورحمت کے ساتھ مقرر کیا اور وہ ہمارے لئے کافی اور بہترین ناصرو معین ہے۔''

یہ مختصر اقتباسات تھے اس طویل خطبہ کے جو بلاغت و فصاحت کے اعتبار سے ایک معجزہ ہے، اس کے الفاظ کی طاقت اور عبارت کا لطف وانجام ہماری اردو زبان میں کہاں؟ ہم اس کے معنوی مفاد کو اپنے لفظوں میں پیش کر سکتے ہیں۔ کیا اس میں کوئی شک ہوسکتا ہے کہ اس تقریر کا ہر فقرہ یزید کے لئے ہزار ہزار تلواروں اور نیزوں کے زخم سے زیادہ سخت تھا اور کیا اس کا انکار کیا جاسکتا ہے کہ یہ خطبہ اور اس کے ایسے دیگر خطبے جن کو تاریخ نے ہم تک پہنچایا ہے یا نہیں وہ ہی ایسے پرطاقت اسلحہ تھے جنھوں نے یزید اور بنی امیہ کے تخت حکومت کو الٹ کر ان کو نیست و نابود کر دیا۔

کیا یہ واقعہ نہیں کہ امام حسینؑ اور ان کے انصار واقاربؑ کے قتل ہو چکنے کے بعد ان مخدرات عصمت کا ایسے ایسے ہولناک موقعوں پر قیام اور ان کے حقائق وواقعات سے مملو خطبے نہ ہوتے تو حسینؑ کا قتل بالکل بے اثر اور ان کا خون رائگاں ہوجاتا۔ نہ اسلامی دنیا میں اس کی کوئی اہمیت ہوتی، نہ کسی شخص میں جذبۂ انتقام پیدا ہوتا۔

ان کا قتل بالکل عبداللہ بن زبیر اور اس کے بھائی مصعب کے قتل کی صورت اختیار کر لیتا جس سے نہ کوئی مقصد حاصل ہوا، نہ اس کا بدلا لیا گیا۔ لیکن حسینؑ کے قتل نے عالم اسلامی میں آگ

(بقیہ صفحہ ۱۴ ر پر۔۔۔۔۔)

قریب آتا، وہ اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ وہ ڈرتا تھا کوئی دوسرا ان کا سر کاٹ نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالہ کیا اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا یا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا۔

او قرر کابی فضت و ذهبا
انا قتلت الملك المحجبا

مجھے چاندی سونے سے لاد دو، میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے۔

قتلت خيرالناس اما وابا
خيرهم اذ ينسبون نسبا

میں نے اسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل ہیں اور جو اپنے سب میں سب سے اچھا ہے۔

عمر بن سعد نے اسے اندر بلالیا۔ بہت خفا ہوا کہنے لگا۔ ''واللہ تو مجنوں ہے!'' پھر اپنی لکڑی سے اسے مار کر کہا ''پاگل! ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبیداللہ بن زیاد سنتا تو تجھے ابھی مروا ڈالتا۔ (ابن جریر)

لوٹ کھسوٹ

قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اتار لئے پھر آپ کے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدینؑ بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچا اور کہنے لگا۔

''اسے بھی کیوں نہ قتل کر ڈالیں؟'' لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی، کہا ''کیا بچوں کو بھی مار ڈالو گے؟ اسی اثناء میں عمر بن سعد بھی آ گیا اور حکم دیا ''کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے۔ اس بیمار کو کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو وہ واپس کر دے۔''

نعش روند ڈالی

عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسینؑ کی نعش گھوڑوں سے روند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اس نے پکار کر کہا ''اس کام کے لئے کون تیار ہے؟'' دس آدمی تیار ہوئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا!

چوں بگر زد نظری خونیں کفن بہ حشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست؟

(ماخوذ از سرفراز لکھنؤ محرم نمبر ۱۹۷۹ء، صفحہ ۶۵-۷۵)

اشاعت اولیٰ ''الہلال'' ۲۲؍جولائی ۱۹۲۷ء

❀❀❀

(صفحہ ۲۴؍کا۔۔۔۔۔)

لگادی۔ ان مخذرات عصمت کا قید سے رہا ہو کر مدینہ پہنچنا تھا کہ اموی سلطنت میں انقلاب کے اسباب پیدا ہونے لگے۔ کوفہ میں جمعیت توابین سلیمان بن صرد خزاعیؓ اور ان کے ساتھیوں سے لے کر بعد کے واقعات سب اسی اثر کا نتیجہ تھے جو اہلِ حرم کے ورد و کوفہ کے بعد سے لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو گیا۔ یزید و ابن زیاد کو ایک دن بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ اموی سلطنت نیست و نابود ہوئی اور اس طرح کہ قیامت تک کوئی اس کا نام لیوا پیدا نہ ہوگا۔

حسینؑ بن علیؑ زندہ ہیں۔ ان کی تحریک بھی قیامت تک زندہ ہے، لیکن یزید و اعوان یزید فنا ہوئے اور ان کے نام و نشان بھی ہمیشہ کے لئے محو ہو گئے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لئے سید الشہداء اہل حرم کو اپنے ساتھ لائے تھے اور یہی وہ عظیم ربانی سیاست اور انجام بینی تھی جس نے ایک مرتب و منظم سلطنت کی بنیادوں کو چند روز کے اندر متزلزل کر دیا۔

دنیا نے حسینؑ کو اب تک نہیں پہچانا ہے، وہ ان کے تدبر اور سیاسی سوجھ بوجھ کو شبہہ کی نظر سے دیکھتی ہے، وہ اہل حرم کے اس سفر میں اپنے ساتھ لانے کو ناعاقبت اندیشی سے تعبیر کرتی ہے۔ لیکن تاریخی حقائق میں غور و فکر ایسے اعتراضات کو پادر ہوا ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

کربلا میں حسینؑ بن علیؑ کا ہر طرز عمل عظیم حکم و اسرار کا سرمایہ دار تھا۔ دیکھنے کے لئے آنکھ اور سمجھنے کے لئے دل کی ضرورت ہے۔

(اشاعت اولیٰ سلسلۂ اشاعت امامیہ مشن لکھنؤ، نمبر ۰۷، محرم الحرام ۱۳۵۹ھ)

❀❀❀